# سُوۡرَةُ الشَّمۡس

یہ سورہ مبارکہ دعوت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی، اس وقت قریش مکہ کا عناد اور سرکشی دعوت حق کے خلاف زوروں پر تھے، انہیں صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا واقعہ سنایا گیا ہے کہ کس طرح اس قوم نے اپنے نبی کی مخالفت کی اور کس انجام بد سے دوچار ہوئی، اگر تم بھی خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرو گے تو اسی انجام سے دوچار ہو جاؤ گے جس سے قوم ثمود ہوئی ہے اور یہ قاعدہ کلیہ قیامت تک لوگوں کو سمجھا دیا گیا ہے کہ جو لوگ بھی احکام الٰہی اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کریں گے، سرکشی و عناد کی راہ اختیار کریں گے وہ نقصان اور خسارے میں رہیں گے۔

اس سورۃ میں آفتاب و ماہتاب، لیل ونہار، ارض وسما اور نفس انسانی کی قسم کھا کر یہ سمجھایا گیا ہے کہ ان سب کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے اور یہ سب چیزیں اس کی کبریائی و عظمت پر گواہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جسم و جان اور عقل وفکر کی نعمتیں عطا کر کے اسے بے خبر نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ ایک فطری الہام کے ذریعے اس کے لاشعور میں نیکی اور بدی میں فرق اور بھلے اور برے کی پہچان کی صلاحیت بھی رکھ دی ہے، اب یہ اس پر ہے کہ وہ اچھے خیالات کو قوت دیتا ہے یا برے خیالات کو پروان چڑھاتا ہے، کامیابی سے بہرہ ور ہوتا ہے یا ناکامی کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے، وہ انسان کی نیک سرشت کو عملی سانچے میں ڈھالتا ہے، دنیا و آخرت کی کامیابیوں سے بہرہ ور کرتا ہے، ابدی و دائمی کامیابی کی نوید سناتا ہے، جس طرح "والشمس" میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آفتاب دنیا کو روشن کرتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو "سِرَاجًا مُنِیۡرًا" کہا گیا ہے جس کی کرنیں انسانوں کی روح و اخلاق کو جلا بخشنے کا پیغام دیتی ہیں۔

# سُوْرَۃُ الشَّمْس

آیات:۱۵ رکوع:۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا(۱) وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا(۲) وَالنَّهَارِ
اِذَا جَلّٰهَا(۳) وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا(۴) وَالسَّمَآءِ وَ مَا
بَنٰهَا(۵) وَالْاَرْضِ وَ مَا طَحٰهَا(۶) وَ نَفْسٍ وَّ مَا
سَوّٰهَا(۷) فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا(۸)﴾

(رب کریم کا ارشاد ہے کہ) سورج اور اس کی روشنی کی قسم، اور چاند کی قسم جبکہ وہ اس کے پیچھے آتا ہے، اور دن کی قسم جبکہ وہ (سورج کو) نمایاں کر دیتا ہے، اور رات کی قسم جبکہ وہ (سورج کو) ڈھانپ لیتی ہے، اور آسمان کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بنایا، اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے پھیلایا، اور قسم ہے نفسِ انسانی کی اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا سنوارا پھر اسے نیکی بدی کا شعور دیا۔

﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا، وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا﴾

کہ سورج اور اس کی روشنی کی قسم اور چاند کی قسم جبکہ وہ اس کے پیچھے آتا ہے۔

وَالشَّمْسِ اور قسم ہے سورج کی، وَ قسمیہ ہے عبارت میں اُقسِمُ چھپا ہوا ہے گویا کہ عبارت یوں ہے ''اُقْسِمُ بِالشَّمْسِ'' میں قسم کھاتا ہوں سورج کی، ضُحٰهَا اور قسم ہے اس کی روشنی (دھوپ) کی۔

الاستاذ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں:

ضُحٰی دن کے شروع میں سورج کے بلند ہونے کا وقت ہے، مبرد کہتے ہیں کہ لفظ ضُحٰی ضَحَّ سے نکلا ہے اور اس کے معنی آفتاب کی روشنی ہے اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں (رب کریم کا ارشاد ہے) میں قسم کھاتا ہوں سورج اور اس کی پھیلی ہوئی روشنی کی جب یہ دنیا روشن ہو جاتی ہے اور تاریکی چھٹ جاتی ہے۔(صفوۃ التفاسیر)

﴿وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا﴾ اور چاند کی قسم جبکہ وہ اس کے پیچھے آتا ہے۔

وَ اور قسمیہ ہے، یہاں بھی عبارت میں اُقسِمُ چھپا ہوا ہے، مفہوم اس طرح ہے "اُقْسِمُ بِالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا" میں قسم کھاتا ہوں چاند کی جب وہ سورج چھپنے کے بعد نکلتا ہے (اس کے پیچھے آتا ہے) (تَلَا، يَتْلُوْا، تُلُوًّا) پیچھے آنا، نقش قدم پر چلنا، تابع ہونا، پیروی کرنا۔(القاموس الوحید)"هَا" کی ضمیر سورج کی جانب لوٹتی ہے کیونکہ وہ عربی زبان میں مؤنث اور چاند مذکر استعمال ہوتا ہے جیسا کہ "طَلَعَتِ الشّمسُ اور طَلَعَ القمرُ" کہا جاتا ہے، گویا کہ غروب آفتاب کے بعد چاند طلوع ہوتا اور اللہ کے حکم سے اپنی روشنی بکھیرنے لگتا ہے، اس کی روشنی گھٹنے بڑھنے لگتی ہے، چودھویں کا چاند (البدر) پورے آب و تاب سے نکلتا ہے، پھر وہ روز بروز گھٹنے لگتا ہے یہاں تک کہ ماہ کے آخر میں نئے چاند (الہلال) کے ظہور سے قبل ایک دو روز کے لیے اللہ کے حکم سے نظر آنا بند ہو جاتا ہے۔ اس کا گھٹنا بڑھنا انسانوں کے لیے ماہ و سال کی تاریخوں کا حساب رکھنے میں مددگار بنتا ہے، غور طلب بات یہ ہے کہ چاند اور سورج اور دیگر ستارے اپنے محور میں گردش کرتے ہیں اور احکام الٰہی کے پابند ہیں کیا مجال کہ وہ ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ نہ سورج چاند کی حدود میں مداخلت کرتا ہے، نہ چاند اپنے وقت سے پہلے ظہور میں آنے کے لیے زور لگاتا ہے نہ دن کی یہ تاب ہے کہ وہ وقت سے پہلے برآمد ہو جائے اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ وہ دن کو اپنے فرائض کی بجا آوری سے پہلے برخاست کر دے، قرآن حکیم اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:۔

لَا الشَّمْسُ يَنۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ، وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسین:۴۰) "نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے

اور سب ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔“

﴿وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا، وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا﴾

اور دن کی قسم جبکہ وہ (سورج کو) نمایاں کر دیتا ہے اور رات کی قسم جبکہ وہ (سورج کو) ڈھانپ لیتی ہے۔

وَ قسمیہ ہے، النَّهَارِ دن، اِذَا جب، جَلّٰهَا (جَلّٰ.هَا) روشن کرے (نمایاں کرے) سورج کو ”ھا“ کی ضمیر سورج کی طرف جاتی ہے کیونکہ وہ عربی زبان میں مؤنث استعمال ہوتا ہے، جَلَّى النَّهَارُ الظُّلْمَةَ دن کا تاریکی کو دور کرنا (القاموس الوحید)، وَالَّيْلِ اور قسم ہے رات کی، لیل ونہار (دن رات) اردو میں استعمال ہوتے ہیں، اِذَا يَغْشٰهَا جبکہ وہ (سورج کو) ڈھانپ لیتی ہے، ’ھا‘ کی ضمیر سورج کی طرف جاتی ہے (غَشِيَ، يَغْشَى، غَشًا) تاریک ہونا، پردہ ڈالنا، الغاشیہ، پردہ الْغاشیہ قیامت کو بھی کہتے ہیں۔(القاموس الوحید)

حقیقت یہ ہے کہ رات کا تمام چیزوں پر تاریکی کا پردہ ڈال دینا اور دن کا پورے آب وتاب سے چمکنا دونوں یکساں نہیں ہیں، لیل ونہار کا یہ اختلاف اہل فکر ونظر کے لیے رب کائنات کی قدرت کا بہت بڑا نشان ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ، اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ (النور:۴۴)

”رات اور دن کا الٹ پھیر وہی کر رہا ہے، اس میں ایک سبق ہے آنکھوں والوں کے لیے۔“

پھر ایک اور مقام پر فرمایا:

”(اے نبی ﷺ) ان سے کہو کبھی تم لوگوں نے غور کیا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لیے رات طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ ان سے پوچھو، کبھی تم نے سوچا کہ اگر قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لیے دن طاری کر دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں رات لا دے تا کہ تم اس میں سکون حاصل کر سکو؟“ [القصص:۷۱-۷۲]

جہاں دن رات کے اختلاف سے اللہ تعالیٰ کی قدرت عیاں ہے وہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نیکی میں قدم اٹھانے والا اور اپنی زندگی کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں

گزارنے والا یقیناً اس شخص سے مختلف ہے جو سرکشی اور برائی پر آمادہ رہتا ہے اور نافرمانی اور غداری سے زندگی گزارتا ہے، قرآن حکیم ان دونوں قسم کے لوگوں کا اس طرح موازنہ کرتا ہے:

''انسان پر جب کوئی آفت آتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کر کے اسے پکارتا ہے، پھر جب اس کا رب اسے اپنی نعمت سے نواز دیتا ہے تو وہ اس مصیبت کو بھول جاتا ہے جس پر وہ پہلے پکار رہا تھا اور دوسروں کو اللہ کا ہمسر ٹھہراتا ہے تاکہ اس کی راہ سے گمراہ کرے (اے نبی ﷺ) اس سے کہو کہ تھوڑے دن اپنے کفر سے لطف اٹھالے، یقیناً تو دوزخ میں جانے والا ہے۔ کیا اس شخص کی روش بہتر ہے یا اس شخص کی جو مطیع فرمان ہے، رات کی گھڑیوں میں کھڑا رہتا اور سجدے کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت سے امید لگاتا ہے؟ ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟ (الزمر: ۸-۹)

﴿وَالسَّمَآءِ وَ مَا بَنٰهَا، وَالۡاَرۡضِ وَ مَا طَحٰهَا﴾

اور آسمان کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بنایا اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے پھیلایا۔

وَالسَّمَآءِ اور قسم ہے آسمان کی، وَ مَا بَنٰهَا اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا (بَنَی، یَبۡنِیۡ، بِنَاءً وَ بُنۡیَانًا) عمارت کھڑی کرنا، تعمیر کرنا (حسی و معنوی دونوں قسم کی بناوٹ) جیسا کہ کہا جاتا ہے بَنَی الرِّجَالَ اس نے افراد تیار کیے، بَنَی عَلٰی کَلَامِهٖ، اس نے کلام کو نمونہ بنایا، البناء، عمارت، عمارت کی ساخت، البنّاء، معمار، راج۔ (القاموس الوحید) وَالۡاَرۡضِ اور قسم ہے (و، قسمیہ ہے) زمین کی، وَ مَا طَحٰهَا اور اس ذات کی جس نے اس کو پھیلایا ہے (طَحَا، یَطۡحُوۡا) پھیلانا۔

الاستاذ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں:

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قدرت وعظمت کی شہادت دی ہے کہ اس نے بغیر ستونوں کے نیلگوں مضبوط آسمان بنا دیا ہے، ''مَا'' اسم موصول ہے یہاں پر ''مَنۡ'' کا معنی دیتا ہے یعنی قسم ہے آسمان کی اور جس نے اسے بنایا ہے۔ اس سے مراد رب العالمین ہے دلیل اس کی اس کے بعد والی آیت ہے، جس

میں فرمایا ''فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا'' یعنی وہی عظیم الشان رب جس نے آسمان کو بنایا، اسی نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اسے عقل وفکر سے نوازا پھر اس نے زمین کو اس طرح پھیلا دیا کہ انسانوں اور حیوانوں کے لیے چلنا پھرنا، کھیتی باڑی کرنا آسان ہوگیا۔'' (صفوۃ التفاسیر)

﴿وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا﴾

اور قسم ہے نفسِ انسانی کی اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا سنوارا۔

وَنَفْسٍ اور قسم ہے نفسِ انسانی کی (جان کی)، وَ مَا سَوّٰهَا اور جس نے اسے بنایا سنوارا ''ھا'' کی ضمیر نفس انسانی کی طرف جاتی ہے (سَوَّی، یُسَوِّی) ٹھیک کرنا، سیدھا اور درست کرنا، مناسب اور معتدل بنانا، نِک سُک سنوارنا۔

امام شوکانیؒ لکھتے ہیں:

''رب کائنات نے انسان کو بنایا اور اس کے اعضا وجوارح کو متناسب بنایا، جسم وروح اور فکر وشعور کا حسین امتزاج پیدا فرمایا، اور اس میں فطرت ودیعت فرمائی، جیسا کہ حدیث مبارک میں آتا ہے ''کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ'' کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی اور عیسائی بنا لیتے ہیں۔ [زبدۃ التفسیر من فتح القدیر]

﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا﴾ پھر اسے نیکی بدی کا شعور دیا۔

فَاَلْهَمَهَا (فَاَلْهَمَ. هَا) پھر سمجھ دی۔ اس (نفس کو) ''ھا'' کی ضمیر نفس کی طرف جاتی ہے۔ (اَلْهَمَ، یُلْهِمُ، اِلْهامٌ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں بات ڈالنا، الہام اردو زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ فُجُوْرَهَا (فُجُوْرَ. هَا) بدی۔ اس (نفس میں) (فَجَرَ، یَفْجُرُ، فَجْرًا، فُجُوْرًا) بے پروائی کے ساتھ گناہوں میں مبتلا رہنا، بدکار ہونا، گناہ کرنا، بدکاری کرنا، الفاجر، گنہگار، بدکار۔ (القاموس الوحید) وَ تَقْوٰهَا (تَقْوٰی. هَا) نیکی۔ اس (نفس میں) یعنی انسانی نفس کو بدی اور نیکی، اچھائی اور برائی کی پہچان کرا دی گئی۔

آیاتِ مبارکہ کی حکمت وبصیرت:

۱) اللہ تعالیٰ نے اس کائنات اور اس کی ہر چیز کو بنایا اور سنوارا اور ہر چیز اس کی قدرت اور حکمت کا پتہ دے رہی ہے...... دل کی آنکھ بینا ہو تو اس کی قدرت کے مظاہر ہر طرف بکھرے پڑے ہیں...... یہ سربفلک پہاڑ، یہ نیلگوں آسمان، یہ وسیع وعریض زمین، یہ آفتاب اور اس کی چمکتی ہوئی روشنی، یہ ماہتاب اور اس کی دلآویز دھیمی چاندنی جو آنکھوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے، رب عظیم وقدیر کی کاریگری اور قدرت کے نشان ہیں۔

۲) قرآن حکیم نے انسان کے سامنے غور وفکر کے لیے وہ چیزیں رکھی ہیں جو روزانہ اس کے مشاہدے میں آتی ہیں، اسے بار بار دعوت دی ہے کہ ان پر ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچ بچار کرتا رہے اور اپنے رب کی نشانیوں کو پہچان کر اس پر ایمان لائے۔

۳) ان تمام چیزوں کی قسم کھا کر یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ اس خالق نے انسان کو نیکی اور بدی میں فرق کرنے کی سمجھ عطا کر رکھی ہے لہٰذا انسان کو ان دونوں چیزوں میں سے اس چیز کو اپنانا چاہیے جس کا انجام بہتر ہے اور یقیناً یہ نیکی کا راستہ ہے جس پر چل کر انسان کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

۴) کوئی انسان یہ عذر پیش نہیں کر سکتا کہ اسے نیکی بدی کا علم ہی نہیں تھا۔ یہ علم تو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا ہے کہ وہ نیکی بدی میں فرق کر سکتا ہے۔

................................

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا(۹) وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا(۱۰)
كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ(۱۱) اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا(۱۲) فَقَالَ
لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا(۱۳) فَكَذَّبُوْهُ

فَعَقَرُوْهَا، فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰىهَا (۱۴) وَلَا يَخَافُ عُقْبٰـهَا (۱۵)﴾

یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو دبا دیا، (قومِ) ثمود نے اپنی سرکشی کے باعث (صالح علیہ السلام کو) جھٹلایا اور جب اس قوم کا سب سے بدبخت شخص (قدّار) اٹھ کھڑا ہوا تو اللہ کے رسول (صالح علیہ السلام) نے ان کو اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے (بھی) خبردار کیا پھر (بھی) انہوں نے اپنے رسول (علیہ السلام) کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں، چنانچہ ان کے رب نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل فرمایا اور ان سب کو ملیامیٹ کردیا اور اللہ کو (ان کی) اس ہلاکت کے انجام سے کوئی اندیشہ نہیں۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا﴾ یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا۔

قَدْ تحقیق کلام کے لیے آتا ہے، یقیناً، اَفْلَحَ فلاح پا گیا (اَفْلَحَ، يُفْلِحُ، اِفْلَاحٌ) باب افعال، فعل ماضی واحد مذکر غائب، فلاح پانا، کامیاب ہونا، مَنْ جو جس نے اسم موصول، زَكّٰىهَا (زَكّٰى. هَا) پاکیزہ بنالیا (سنوارلیا)، اس (نفس) کو "ها" کی ضمیر نفس کی طرف جاتی ہے (زَكّٰى، يُزَكِّيْ زَكَاءً) بڑھانا، نشوونما دینا، پاک وصاف کرنا، اصلاح کرنا، نیک بنانا (القاموس الوحید)

﴿وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔

وَ اور، عاطفہ سلسلہ کلام کو جاری رکھنے کے لیے ہے، قَدْ یقیناً، تحقیق کلام کے لیے، خَابَ نامراد ہوا (خَابَ، يَخِيْبُ، خَيْبَةً) ناکام ہونا، نامراد ہونا، نقصان اٹھانا، گھاٹے میں رہنا، (القاموس الوحید) مَنْ جو، جس نے، حرف موصول، دَسّٰىهَا (دَسّٰ. هَا) دبا دیا۔ اسے (نفس کو) دَسَّ، يَدُسُّ دَسًّا، چھپانا، دبانا، مکروفریب کرنا، اردو زبان میں دسیسہ کاری بمعنی مکروفریب استعمال ہوتا ہے۔

سید مودودیؒ آیات ۶-۱۰ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''کہ اسے اعضا اور حواس اور ذہنی قوتوں کے متناسب امتزاج سے ہموار کر کے خالق نے اس کے اندر بھلائی اور برائی، دونوں کے میلانات، رجحانات اور محرّکات رکھ دیے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں اور الہامی طور پر اسے ان دونوں کا فرق سمجھا دیا ہے کہ ایک فجور ہے اور وہ بری چیز ہے اور دوسرا تقویٰ ہے اور وہ اچھی چیز ہے، اب اگر سورج اور چاند، دن اور رات، زمین اور آسمان یکساں نہیں ہیں، بلکہ ان کے اثرات اور نتائج ایک دوسرے سے لازماً مختلف ہیں تو نفس کا فجور اور تقویٰ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہونے کے باوجود یکساں کیسے ہو سکتے ہیں، انسان خود اس دنیا میں بھی نیکی اور بدی کو یکساں نہیں سمجھتا اور نہیں مانتا، خواہ اس نے اپنے بنائے ہوئے فلسفوں کی رو سے خیر و شر کے کچھ بھی معیار تجویز کر لیے ہوں، بہر حال جس چیز کو بھی وہ نیکی سمجھتا ہے، اس کے متعلق وہ یہ رائے رکھتا ہے کہ وہ قابل قدر ہے، تعریف اور صلے اور انعام کی مستحق ہے بخلاف اس کے جس چیز کو بھی وہ بدی سمجھتا ہے اس کے بارے میں اس کی اپنی بے لاگ رائے یہ ہے کہ وہ مذمت اور سزا کی مستحق ہے، لیکن اصل فیصلہ انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اس کے خالق کے ہاتھ میں ہے جس نے انسان کا فجور اور تقویٰ اس پر الہام کیا ہے، فجور وہی ہے جو خالق کے نزدیک فجور ہے اور تقویٰ وہی ہے جو اس کے نزدیک تقویٰ ہے اور خالق کے ہاں اِن دونوں کے دو الگ نتائج ہیں، ایک کا نتیجہ یہ ہے کہ جو اپنے نفس کا تزکیہ کرے وہ فلاح پائے اور دوسرے کا نتیجہ یہ ہے کہ جو اپنے نفس کو دبا دے وہ نامراد ہو۔

تزکیہ کے معنی پاک کرنا، ابھارنا اور نشو و نما دینا ہے۔ سیاق و سباق سے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو اپنے نفس کو فجور سے پاک کرے اس کو ابھار کر تقویٰ کی بلندی پر لے جائے اور اس کے اندر بھلائی کو نشو و نما دے وہ فلاح پائے گا، اس کے مقابلہ میں دَسّٰهَا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مصدر تدسیہ ہے اس کے معنی دبانے، چھپانے، اغوا کرنے اور گمراہ کر دینے کے ہیں۔ سیاق و سباق سے اس کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ شخص نامراد ہو گا جو اپنے نفس کے اندر پائے جانے والے نیکی کے رجحانات کو ابھارنے اور نشو و نما دینے کی بجائے ان کو دبا دے، اس کو بہکا کر برائی کے رجحانات کی طرف لے جائے اور فجور کو اس پر اتنا غالب کر دے کہ تقویٰ اس کے نیچے اس طرح چھپ کر رہ جائے جیسے ایک لاش قبر پر

مٹی ڈال دینے کے بعد چھپ جاتی ہے۔" (تفہیم القرآن، ج:٦)

﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ﴾

(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے باعث (صالح علیہ السلام کو) جھٹلایا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ جھٹلایا قوم ثمود نے (كَذَّبَ، يُكَذِّبُ، تَكْذِيْبٌ) جھٹلانا، قوم کے لیے ماضی واحد مونث غائب کا صیغہ آیا ہے، یہ سیدنا صالح علیہ السلام کی قوم تھی جو نافرمانی کی وجہ سے عذاب الٰہی کا شکار ہوئی، بِطَغْوٰىهَآ (بِ. طَغْوٰ. هَآ) اپنی۔ سرکشی۔ سبب، یہاں پر"ب" سبب کا معنی دیتا ہے،"ھا" کی ضمیر قوم ثمود کی طرف جاتی ہے (طَغٰی، يَطْغٰى، طَغْيًا وَ طُغْيَانًا) مناسب حد سے بڑھنا، سرکشی اختیار کرنا"طاغوت" ہر سرکش، باغی، شیطان اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان کو کہتے ہیں جب دریا کا پانی کناروں سے اُمڈ کر پھیل جاتا ہے تو اسے"طغیانی" کہتے ہیں، یہ لفظ اردو میں جانا پہچانا ہے۔

﴿اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا﴾ جب اس قوم کا سب سے بدبخت شخص (قدار) اٹھ کھڑا ہوا۔

اِذْ جب ظرف زمان، انْبَعَثَ اٹھ کھڑا ہوا، فعل ماضی واحد مذکر غائب اس کا مادہ بَعَثَ ہے معنی بھیجنا، اَشْقٰهَا (اَشْقٰى. هَا) بڑا بدبخت۔ اس قوم کا،"ھا" کی ضمیر قوم ثمود کی طرف جاتی ہے، الشَّقِيُّ بدبخت، بدحال، پریشان حال، ناکام ونامراد، اسی سے اَشْقٰى اسم تفضیل انتہائی بدبخت،"شقاوت قلبی" (دل کی سختی) اردو میں معروف ہے۔

یعنی قوم ثمود نے اپنے نبی صالح علیہ السلام کی نہ صرف نافرمانی کی بلکہ اپنے لیڈر رقدّار بن سالف کو اس نافرمانی اور سرکشی میں آگے کر دیا اور وہ اللہ کی اونٹنی کو مار ڈالنے کے لیے آگے بڑھا۔

﴿فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا﴾

تو اللہ کے رسول (صالح علیہ السلام) نے ان کو اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے (بھی) خبردار کیا۔

فَقَالَ (فَ. قَالَ) پس کہا (قَالَ، یَقُوْلُ. قَوْلًا) کہنا، قول وقرار، اردو میں مستعمل ہے، لَھُمْ ان سے ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب، قوم ثمود کے افراد کی طرف جاتی ہے، رَسُوْلُ اللّٰهِ اللہ کے رسول، رَسُوْل، مضاف، اللّٰه مضاف الیہ، نَاقَةَ اللّٰهِ اللہ کی اونٹنی، نَاقَةُ، مضاف، اللہ مضاف الیہ، وَ سُقْیٰهَا (وَ. سُقْیٰ. هَا) اوراس کے پانی پینے کی (باری) "ھا" کی ضمیر واحد مؤنث غائب اونٹنی کی طرف جاتی ہے (سَقَی، یَسْقِیْ، سَقْیًا) پانی پلانا، ساقی پانی پلانے والا۔

﴿فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا﴾

پھر (بھی) انہوں نے (صالح کو) جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

فَكَذَّبُوْهُ (فَ. كَذَّبُوْا. هُ) پس۔ انہوں نے (قوم ثمود کے لوگوں نے) انہیں، ہٗ کی ضمیر واحد مذکر غائب سیدنا صالح علیہ السلام کی طرف جاتی ہے، فَعَقَرُوْهَا (فَ. عَقَرُوْا. هَا) پس، انہوں نے کاٹ ڈالیں کونچیں، اس کی، "ھا" کی ضمیر واحد مؤنث غائب اونٹنی کی طرف جاتی ہے (عَقَرَ، یَعْقِرُ) ذبح کرنا، اونٹ کی کونچیں کاٹنا۔

﴿فَدَمْدَمَ عَلَیْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا﴾

چنانچہ ان کے رب نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل فرمایا اور ان سب کو ملیا میٹ کردیا۔

فَدَمْدَمَ (فَ. دَمْدَمَ) پس۔ ہلاکت ڈالی، عَلَیْهِمْ ان پر، رَبُّهُمْ ان کے رب نے، بِذَنْۢبِهِمْ (بِ. ذَنْبِ م. هِمْ) بسبب۔ گناہ۔ ان (لوگوں کے)، ھُم ضمیر جمع مذکر غائب، فَسَوّٰىهَا (فَسَوّٰی. هَا) پس۔ صفایا کردیا۔ اس قوم کا (سَوّٰی، یُسَوِّی) بلاتفریق سب کو برابر سزا دینا "ھا" کی ضمیر ثمود کی طرف جاتی ہے۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

"قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر اس کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ ثمود کے لوگوں نے سیدنا صالح علیہ السلام کو چیلنج دیا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو، اس پر صالحؑ نے ایک اونٹنی کو معجزے

کے طور پر ان کے سامنے حاضر کر دیا اور ان سے کہا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے، یہ زمین میں جہاں چاہے گی چرتی پھرے گی، ایک دن سارا پانی اس کے لیے مخصوص ہو گا اور دوسرے دن تم سب کے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے رہے گا۔ اگر تم نے اس کو ہاتھ لگایا تو یاد رکھو کہ تم پر سخت عذاب نازل ہو جائے گا، اس پر وہ کچھ مدت تک ڈرتے رہے، پھر انہوں نے اپنے سب سے زیادہ شریر اور سرکش سردار کو پکارا کہ اس اونٹنی کا قصہ تمام کر دے اور وہ اس کام کا ذمہ لے کر اٹھ کھڑا ہوا، سورۃ اعراف میں ہے کہ اونٹنی کو مارنے کے بعد ثمود کے لوگوں نے حضرت صالحؑ سے کہا کہ اب لے آؤ وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈراتے تھے، سورۂ ہود میں ہے کہ صالحؑ نے ان سے کہا تین دن اپنے گھروں میں اور مزے کر لو، اس کے بعد عذاب آجائے گا اور یہ ایسی تنبیہ ہے جو جھوٹی ثابت نہ ہوگی۔ (تفہیم القرآن، ج:۶)

﴿وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا﴾

<u>اور اللہ کو (ان کی) اس ہلاکت کے انجام سے کوئی اندیشہ نہیں۔</u>

**وَلَا يَخَافُ** اور نہ خائف ہوا وہ (رب قدیر)، **وَ** اور عاطفہ، **لَا** نہ نافیہ **يَخَافُ** وہ خوف کھاتا ہے (**خَافَ، يَخَافُ، خَوْفًا**) ڈرنا، گھبرانا، **عُقْبٰهَا** (**عُقْبٰى. هَا**) انجام۔ ان کے سے۔

الاستاذ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں:

رب قدیر کو قوم ثمود کی تباہی و بربادی سے مطلق خوف نہ ہوا جیسا کہ دنیا کے بادشاہ اور سردار اپنے کیے کے انجام پر خائف و پریشان رہتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سے اس بات پر کوئی باز پرس نہیں کر سکتا ہے جو وہ کرتا ہے۔ (صفوۃ التفاسیر)

<u>آیاتِ مبارکہ کی حکمت وبصیرت:</u>

۱) قرآن حکیم چھوٹے چھوٹے جملوں میں کامیابی کی نوید دیتا ہے، غور کیجیے "**قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا**" کتنے مختصر اور جامع الفاظ ہیں کہ جس نے اپنا نفس سنوار لیا وہ یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہو گیا، وہ شخص ابدی اور دائمی زندگی سے بہرہ ور ہو گیا، اس نے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی جنت میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا۔

۲) یہ نفس کیسے سنورتا ہے؟ اس کا جواب بھی قرآن حکیم نے بڑا ہی مختصر دے دیا ہے ''جو شخص خالق کائنات پر ایمان لایا اور جو شاہراہ عمل پر گامزن ہوگیا'' پھر وہ شخص جس نے اپنے نفس کو کفر، شرک، حسد، بغض ایسے اعمال قبیحہ سے آلودہ نہ ہونے دیا اور پھر ساری زندگی اطاعتِ الٰہی اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر کردی۔

۳) اس کے برعکس جو خواہشات کا غلام بن گیا اور شیطان کو اپنا ساتھی بنالیا اور پھر ہر جائز و ناجائز بات کو زندگی کا دستور العمل بنالیا، ناکامی اس کا مقدر ٹھہری۔

۴) قومِ ثمود کے ذکر میں خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان کو واضح کرکے فرمایا کہ آپ کا اتباع اور اطاعت ہی فلاح اور کامرانی کی ضمانت ہے، اگر صالح علیہ السلام کی قوم نے نافرمانی کی تو وہ حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے نیست و نابود کردی گئی، اہل مکہ! آج اگر تم بھی یہی روش اختیار کروگے تو تمہارے لیے بھی ویسی ہی تباہی و بربادی ہوگی، تم دنیا اور آخرت میں رسوا ہوجاؤ گے، یہ آیات دورِ حاضر کی امت مسلمہ کے لیے بھی لمحات فکریہ مہیا کرتی ہیں۔

..................o..................